ادب اور صحافت کے مشترکہ عناصر

A Comprehensive Study of Inter-relationship of Literature and Journalism.

ڈاکٹر زینت بی بی, اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور
Dr. Zeenat Bibi, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto University, Peshawar

ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی، شعبۂ اُردو سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور
Dr. Muhammad Nasir Afridi, Dept. of Urdu, Sarhad University of Science and information technology, Peshawar

Abstract

The relationship between literature and journalism is a controversial issue. Some of the literary figures acknowledge the supremacy of Journalism over Literature while some of them claim contrary. Though, in the beginning both the areas were considered not that much distinct. With the passage of time both areas enhanced their needs and reservations. For both the life was prime focus. Owing to color some needs and requirement, Journalism and literature are dealt differently. Journalism adopts the measures of urgency while Literature effects in long-run. However, Journalism and Literature are the two facets of the same coin and cannot be dealt distinctly. The Subject under Consideration carries out a comprehensive study of the inter-relationship of Journalism and Literature.

Keywords: Literature, Journalism, Magazines, Periodicals, Literary Language, Inter-Relationship, Journalistic Language, Fine Arts.

کلیدی الفاظ: ادب، صحافت، جرائد، ادبی زبان، باہمی تعلق، صحافتی زبان، دبستان، ابلاغ، فنونِ لطیفہ

اُردو زبان وادب کے فروغ میں صحافت نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ابتداء میں اردو زبان شعر وشاعری کے حوالے سے ہی پہچانی گئی۔ یہاں تک کہ عشقیہ داستانوں کو نثر میں لکھنے کے بجائے شعری انداز میں لکھا گیا اور اس وقت چونکہ فارسی و عربی زبان کو فوقیت دی جاتی تھی۔ اُسے علمی مرتبت کی علامت تصور کیا جاتا تھایہی وجہ تھی کہ اس دور کے اُردو شعراء بھی زیادہ تر فارسی و عربی الفاظ وتراکیب سے اپنے کلام کو مزین کرتے تھے۔

۱۸۰۰ء میں جب فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں لایا گیا تو کچھ کتابوں "باغ و بہار" اور " قصہ گل بکاولی "وغیرہ کو آسان زبان میں لکھنے کی کوشش کی گئی۔ فورٹ ولیم کالج چونکہ کلکتہ میں قائم گیا تھا۔ اس لیے یہ دبستان دہلی اور دبستان لکھنو سے فاصلے پر تھا۔ وہاں پر پرنٹنگ کی سہولت ناپید تھی۔ دوسرا یہ کہ انگریز کسی بھی صورت فارسی شعروادب کے فروغ کے حق میں نہیں تھے۔ ان کی فارسی سے دوری اور اُردو زبان کی مجبوری اُردو کی ترویج وترقی کا باعث بنی۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ایک عرصے تک اُردو زبان عوامی سطح پر قابل قبول نہیں رہی اور پڑھے لکھے حلقوں میں اردو کی نسبت فارسی سے شغف زیادہ رہا۔

۱۸۳۰ء تک برصغیر کے اُس وقت کے بڑے اخبارات سید الاخبار، سراج الاخبار، قرآن السعدین، اور فوائد الناظرین وغیرہ میں جو تحریریں اخبار کا حصہ بنتی رہیں وہ زیادہ تر ادبی نوعیت کی تھیں۔

اس کے بعد جب ہم اُردو کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو سرسید احمد خان نے اُردو ادب کو (خصوصاً نثر نگاری کے حوالے سے) مغربی صحافتی اندازِ ادب سے متعارف کرایا۔ جب وہ ۱۸۶۹ ء کو انگلستان گئے تو وہاں کے مشہور جرائد سپیکٹیٹر "SPECTATOR" ٹیٹلر "TATLER" سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ قوم کو ان کا مقصد حیات اور نصب العین سے باخبر رکھنے کے لیے اُس طرز کے جرائد کا اجراء ناگزیر ہے۔ اِن پرچوں میں جہاں موضوعات کے لحاظ سے انفرادیت موجود تھی وہاں ایڈیسن اور اسٹیل کا انداز تحریر بھی اس سلسلے میں معاون و مددگار تھا۔ سرسید احمد خان کو ان مغربی ادیبوں کا صحافتی انداز تحریر پسند آیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس سلسلے میں مغربی ادیب الفاظ کا بے جا استعمال نہیں کرتے بلکہ ضرورت کو سامنے رکھ کر مقصدیت کو قلم کے حوالے کرتے ہیں۔ اسی رجحان کو سامنے رکھ کر انہوں نے بعد میں ۱۸۷۰ء میں تہذیب الاخلاق جاری کیا نشیب وفراز سے گزرنے کے باوجود اس رسالے نے اپنے منفرد اسلوب اور فکر کی بدولت کافی پذیرائی حاصل کی۔ اس رسالے کے حوالے سے عابد صدیقی لکھتے ہیں:

> "سرسید کی ادبی تحریریں اردو صحافت کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کی حامل ہیں تہذیب الاخلاق نے صحافت کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے۔ آج تک اردو کا کوئی بھی رسالہ اس معیار کو نہیں پہنچ سکا۔"(۱)

"تہذیب الاخلاق" کے حوالے سے خلیق احمد نظامی سرسید احمد خان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"شعر و ادب کے ساتھ ساتھ اُردو صحافت بھی سید احمد کے احسانات
سے زیر بار ہے۔ دراصل تہذیب الاخلاق ہی وہ رسالہ ہے جس نے
اُردو صحافت کی داغ بیل ڈالی۔"(۲)

۱۸۷۷ء میں "اُودھ پنچ" کا آغاز ہوا۔ منشی سجاد حسین اس کے مدیر تھے۔ یہ اخبار مغرب اور تہذیب مغرب کا سخت مخالف تھا۔ اس اخبار کی بدولت مغربی تہذیب اور اُن کے ملک دُشمن پالیسیوں پر کھل کر تنقید سامنے آئی۔ اس اخبار نے اُردو نثر کو نئی روح دی۔ اگرچہ کچھ عامیانہ اور پھکڑ پن بھی اس سلسلے میں دیکھنے میں آیا۔ اس اخبار میں ادبی صحافت کی بجائے صحافیانہ ادب زیادہ ہے ۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس اخبار کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین ،انشائیوں اور شاعری کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس اخبار کے حوالے سے اہم نام جوالا پرشاد، منشی احمد علی شوق اور اکبر الٰہ آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ ادب اور صحافت کے اس تعلق میں عبدالحلیم شرر کا نام بھی آتا ہے۔ اُنہوں نے ۱۸۸۷ء میں جریدہ "دلگداز "کا آغاز کیا۔ اس رسالے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں صحافت اور ادبیت بیک وقت موجود تھی۔ اس جریدے پر سرسید احمد خان کے اسلوب کا نمایاں اثر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ شرر صحافتی اور ادبی شعور رکھتے تھے اور اسی خوبی نے اُنہیں مقبولیت بخشی ۔ اُن کے ایک اور اخبار ہفت روزہ "مہذب "کا پہلا شمارہ ۱۸۹۰ء کو شائع ہوا۔ اس شمارے میں اُنہوں نے آغاز ہی سے جو مقاصد بیان کیے ہیں وہ صحافت اور ادب کے حوالے سے اہم زاویہ نکالتے ہیں۔ ڈاکٹر صالح عبداللہ لکھتے ہیں:

"تین ہی احوال ہیں "جن پر عام اخبارات کی تحریروں کا دارومدار ہے
پولیٹکس، سوسائٹی اور لٹریچر۔ "مہذب "بھی ان تینوں معاملات میں
اپنے ناظرین سے پوری ترقی اور کامیابی کا وعدہ کرتا ہے۔" (۳)

اس تذکرے میں مولانا ظفر علی خان کا نام بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ان کے سیاسی شعور، جذبہ اخلاص، اور قلم کے جوہر نے صحافت وادب کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا تھا۔ ان کے صحافتی کارناموں، اعلی شاعری اور ادبی مضامین کی دنیائے اردو میں نمایاں حیثیت قائم رہے گی۔ ان کی شاعری میں رہنمائی اور جذبہ حب الوطنی ہے۔ بطور صحافی ان کی تحریروں سے ادیبانہ رنگ جھلکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج جب ہم ادب اور صحافت کے باہمی تعلق پر بحث کرتے نظر آتے ہیں ان میں ظفر علی خان جیسے اہم رہنما کا نام سرفہرست ہے۔

خواجہ حسن نظامی کی تحریریں پڑھ کر کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ ایک منجھے ہوئے ادیب نہیں ہیں۔ ان کی اکثر و بیشتر تحریروں میں ادیبانہ رنگ، فکر اور سوچ موجود ہے۔ ان کی اس خوبی کے حوالے سے رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> "آپ اطمینان سے بیٹھ کر ان کی تحریروں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ صحافیانہ تحریروں کا ان کے یہاں بہت بڑا حصہ ہے۔ وہ ادیب بھی تھے اور صحافی بھی۔ کبھی ایک حیثیت غالب آجاتی تھی اور کبھی دوسری جِہت چمک اُٹھتی تھی۔"(۴)

ادب اور صحافت کی پیوستہ جڑیں ہمیں ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں بھی واضح نظر آتی ہیں۔ انہوں نے "الہلال" کے لیے مسلم یونیورسٹی کے مسئلے پر ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۳ء کے مختلف شماروں میں جو "نشہ شام کی نصف شب" اور "حدیث الغاشیہ" کے عنوان سے مضامین شائع کیے۔ یہ مضامین اپنے موضوع، اسلوب اور ادبیت کی بدولت آج بھی ادب کا باقاعدہ حصہ ہیں۔ جس کی ادبی شان اور علمی حیثیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اُن کے بارے میں ڈاکٹر صالح عبداللہ لکھتے ہیں:

> "مولانا آزاد کی نثر بڑی بلند آہنگ اور پُر شکوہ ہے۔ اُردو صحافت کے لیے یہ لَب و لہجہ بالکل نیا تھا۔ اس میں خوش آہنگ فارسی تراکیبیں اور عربی فقرے جگہ جگہ بجلی کی مانند کوندتے ہیں۔ مولانا ایک صاعقہ بردوش پیامبر کی طرح صدا لگاتے ہیں گویا سوتوں کو جگا رہے ہیں۔ اُن کی نثر میں ایک بلند مرتبہ خطیب کا جاہ و جلال موجود ہے۔" (۵)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی ادب اور صحافت کے صاحب طرز ادیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کی فکر و نظر، ادب و صحافت کے حوالے سے گہری تھی۔ "سچ" (۱۹۲۵ء)اور "صدق" (۱۹۳۵ء) اُن کی صحافتی و ادبی خدمات کے حوالے سے نمائندہ اخبارات ہیں۔ ان اخبارات کے لیے مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، عبدالسلام ندوی، راشد الخیری، ابوالجلال ندوی، پروفیسر ضیاء احمد بدایونی اور سید سلیمان ندوی نے ادبی خدمات سر انجام دیں۔ مولانا عبد الماجد کی شخصیت ادب اور صحافت کا بہترین مرقع تھی۔ وہ ادب اور صحافت کے باہمی تعلق کے آسمان پر روشن ستارے کی مانند ہے۔ ان کے اس خوبی کو ڈاکٹر صالح عبداللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "صحافت کا رنگ و روغن اس وقت نکھرتا ہے۔ جب اس میں اجتماعی مناظرانہ، مناقشانہ تحریریں چھپتی ہیں۔ مولانا عبد الماجد کا قلم بھی اس

میدان میں جولانی دِکھاتا ہے۔ نیاز فتح پوری سے ان کے علمی مناقشہ کو اردو ادب وصحافت کی تاریخ میں یادر کھاجائے گا"۔ (۶)

اس سلسلے میں عبد المجید سالک وہ صحافی ہیں کہ جنھوں نے صحافت اور ادب کو بیک وقت خوش اسلوبی سے برتا۔ سلیس، سادہ اور دلنشین اسلوب صحافت کے ساتھ ساتھ ادب کا بھی خاصا ہیں۔ انہوں نے "زمیندار" میں "افکار وحوادث" کے عنوان سے مزاحیہ کالم نگاری کی۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا ظفر علی خان کے کہنے پر اس اخبار کے لیے ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیے۔

چراغ حسن حسرت نے صحافت اور ادب کو ایک ہی ڈگر پر رکھا۔ ان کے مختلف اوقات میں مختلف اخبارات کے لیے خدمات سرانجام دیں۔ بذریعہ صحافت اس دور کے مشکلات اور مسائل کو اس قرینے سے سامنے لایا کہ بحیثیت ادیب لوگوں میں ان کا چرچا ہونے لگا۔ "نئی دنیا" "زمیندار" "امروز" اور "نوائے وقت" کے لیے "حرف وحکایت" کے عنوان سے مزاحیہ کالم نویسی میں نام کمایا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ آج ان کا مزاحیہ کالم ایک کتابی صورت میں پڑھنے والوں کا حسنِ ظن بڑھارہا ہے۔

احمد ندیم قاسمی نے بہت سے جرائد میں بطور مدیر کام کیا۔ جن میں "ادب لطیف" ، "سویرا"، "نقوش"، "سحر" اور "امروز" وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے عبد المجید سالک کے کالم "افکار وحوادث" سے قارئین کی بھرپور داد وصول کی۔ ان کے کالموں میں صحافیانہ رنگ کے ساتھ ساتھ ادبیت کا رنگ بھی گہرا ہے۔ "دھڑکنیں"، "جلال وجمال" اور "دشت وفا" وغیرہ ان کے شعری مجموعے ہیں جبکہ افسانہ نگاری کی دنیا بھی ان کے نام سے بخوبی آشنا ہے۔ ان کے ہاں ادب اور صحافت آپس میں بغل گیر ہیں۔ اس حوالے سے نصر اللہ خان لکھتے ہیں:

> "زبان اور ادب کی چاشنی سے ان کی تحریریں جہاں صحافت کا ایک حصہ ہیں وہاں وہ ادب میں بھی شامل ہیں۔ قاسمی صاحب جیسے ادیب اب بہت کم رہ گئے ہیں اُن میں سے بعض خالص ادیب ہیں اور بعض خالص صحافی۔ قاسمی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے صحافت سے ادب کا رشتہ قائم رکھا ہے اور انہی لوگوں سے اُردو صحافت کی آبرو قائم ہے۔" (۷)

مغرب میں ادب اور صحافت ساتھ ساتھ چلتے ہیں ایک کو دوسرے سے کسی بھی صورت جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ برطانیہ میں ایک صحافی کے لیے ضروری ہے کہ ادیب کو صحافیانہ حربوں سے واقفیت حاصل ہو۔ اِسی طرح امریکہ میں بھی اس بات پر زور دیا جاتا ہے

کہ ادب محض جذبوں کی عکاس نہ ہو بلکہ اس میں حقیقت کا رنگ بھی جھلکتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ قاری محض اسلوب کی رنگینی اور زبان وبیان کے دلکشی میں کھو جائے اور اصل مقصد تک رسائی نہ ہو۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے اہم نام جن میں الیگزینڈر ہملٹن، ولیم کوبرائیٹ، جان اسٹین اور یوگن فیلڈ نک وغیرہ شامل ہیں جنھوں نے ادب اور صحافت کو بڑے احسن طریقے سے یکجا کر کے پیش کیا ہے۔ اس طرح برصغیر میں بھی ابتداء میں جن شخصیات کا ذکر کیا گیا اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صحافت اور ادب اگر ایک مشترک چیز نہیں تو ہم ان کو ایک دوسرے سے الگ بھی نہیں کر سکتے۔

صحافت "صحیفہ" سے ماخوذ ہے یہ عربی کا لفظ ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے "جرنلزم" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے معنی، کتاب، رسالہ وغیرہ کے ہیں۔ ویسے تو صحافت کی مختلف تعریفیں ملتی ہیں لیکن صحافت سے مراد ایک ایسا شائع شدہ مواد ہے جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے۔ اس میں اخبار، رسالے، مجلے، ڈائجسٹ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ شامل ہیں۔ صحافت کی تعریف کرتے ہوئے عبدالحئ لکھتے ہیں:

> "یعنی مقررہ وقت میں تازہ خبریں اور واقعات کو جمع کرنے کا نام صحافت ہے۔ یہ ایسا شغل ہے جس میں پورے انصاف کے ساتھ اخباروں اور جریدوں کے لیے خبریں تحریر اور مرتب کی جاتی ہیں۔ اخبارات کو سچائی اور انکشافات سے بھری ہوئی خبریں دینے کا نام صحافت ہے "(۸)

یعنی وہ تمام ذرائع جس میں اخبار، رسائل، فلم، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ سے درست سچی اور تازہ خبر اکھٹی کرنا اور پھر ان کو مناسب ترتیب، سلیقہ اور توازن دے کر شائع کرنے کا نام صحافت ہے۔

صحافت کی طرح ادب بھی اپنا مواد زندگی اور معاشرے سے حاصل کرتا ہے۔ لیکن ایک ادیب جب ادب تخلیق کرتا ہے تو وہ اس کے لیے مخصوص اسلوب اختیار کرتا ہے۔ جو متعلقہ ادیب کے ذات کے اظہار کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہ مختلف ذرائع کو بروئے کار لا کر جذبے کی تہذیب کر کے پڑھنے والے کو حظ فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی کے حوالے سے جب کوئی ادیب یا فن کار اپنے تجربات ومشاہدات پیش کرتا ہے تو ضروری نہیں ہوتا کہ یہ محض اُس کے ذاتی تجربات ہوں ایک ادیب کا اس حوالے سے تجربہ یا مشاہدہ صرف ذاتی نہیں ہوتا بلکہ اس میں پورا معاشرہ شامل ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے حوالے سے مثبت پہلوؤں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے پھر فن اور فکر کے برش سے صفحہ قرطاس کو رنگین بناتا ہے۔ اس حوالے سے مرزا ادیب لکھتے ہیں:

"ادب زندگی کی تفہیم کا فریضہ ادا کرتا ہے اور ادب چونکہ اجتماعی خوابوں، اُمنگوں، ولولوں، دکھوں، سکھوں، آرزووں اور خواہشوں کو قوتِ اظہار بخشتا ہے اس لیے ایک تجربے کے طریقہ اظہار یا ذریعہ ابلاغ میں تو یہ منفرد ہو سکتا ہے اپنی نوعیت میں اس کی حیثیت اجتماعی ہو جاتی ہے"۔ (۹)

یہاں ادب اور صحافت میں ایک امتیاز نظر آتا ہے۔ خبر چونکہ ایک دن کے لیے ہوتی ہے اور اگلے ہی دن باسی ہو جاتی ہے۔ مگر ادب کا اثر ہنگامی نہیں بلکہ دوامی ہے۔ ایک اچھا ادب پارہ برسوں بعد بھی اپنی اہمیت اور مقام برقرار رکھتا ہے۔ ادب چونکہ فنون لطیفہ کی ایک شاخ ہے اس کی تاثیر دیرپا ہوتی ہے اور دوسرے فنون لطیفہ کی طرح ہمیشہ انسانی جذبوں میں تحرک کا باعث بنتا ہے۔ صحافت چونکہ روزمرہ کی خبروں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے لیے بھی مناسب رویہ، طریقہ اور ترتیب و تدوین کی ضرورت بہر کیف موجود رہتی ہے۔ مولوی محمد باقر مدیر "Editor" کی ذمہ داریوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ایڈیٹر کو ایسا مواد چھاپنا چاہیے جس سے اس کا اخلاقی معیار قائم ہو اور لوگوں کا معیار و کردار بلند ہو، ان مقاصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایڈیٹر اُنہیں اچھی مثال پیش کرے"۔ (۱۰)

درج بالا اقتباس کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح روزمرہ کے واقعات کے حوالے سے خبر تو صحافت کا حصّہ ہے مگر اس بات کا ذکر بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ صحافتی عمل بغیر ادب کے تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ صحافی کو خبر کی تدوین میں ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہیے کہ پڑھنے والے کو معلومات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ معاشرتی قدروں سے بھی شناسائی دے۔ یہاں اس بات کی نشاندہی ضروری ہو جاتی ہے کہ صحافی جب اس عمل کو ترتیب دیتا ہے تو اس کے پیش نظر اعلیٰ صحافتی نقطہ نظر ہوتا ہے۔ نہ کہ اس کا مقصد کسی ادب کو تخلیق کرنا ہوتا ہے۔

جہاں تک ادبی صحافت کی بات ہے تو اس میں تخلیق اور ادبی مسائل کو زیر نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اس طرح صحافت کی ذمہ داری علم و فکر اور نظریات کی تشریح ہے۔ جو قارئین کے ذہنوں سے شک کے عناصر دور کر کے اُن کے ہاں یقین کی روشنی کو عام کرتے ہیں اور اُنہیں مستقبل کی طرف پیش قدمی کے عمل میں آسانی فراہم کرتے ہیں۔

فنی لحاظ سے ادب اور صحافت (خبر) میں فرق ابتدائی طور پر امریکہ کے رسائل میں دیکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے امریکی اخبارات میں خبر رسانی کے لیے اخبارات جب کہ تہذیبی

اور ادبی موضوعات کے لیے رسائل وجرائد مخصوص کیے گئے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اٹھارویں صدی میں امریکہ برطانیہ سے اپنا الگ تہذیبی تشخص قائم کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح صحافتی شعبے کی بھی از سر نو تجدید کی جا رہی تھی۔ مقاصد اور ترجیحات کے تناظر میں نئے نئے طریقوں اور زاویوں کو پیش کیا جا رہا تھا۔ اگرچہ امریکہ نے اس وقت یہ تمام تگ ودو اپنی ضروریات اور ترجیحات کے پیش نظر کر رکھا تھا مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اُنیسویں صدی کی ابتداء ہی سے ادبی صحافت وجود میں آئی۔ اس حوالے سے انور سدید لکھتے ہیں:

> "خبر باسی یا پرانی ہو جاتی تو اس میں صحافی کو دلچسپی کم ہو جاتی ہے لیکن ڈیفیو، جانسن اور سٹیل نے جب صحافت میں شمولیت کی تو انہوں نے صحافت کی ترسیل میں دلچسپی نہیں لی۔ یہ ادباء واقعے کو جذبے کے لمس سے وقتی یا ہنگامی نہ رہنے دیتے بلکہ اس کے اثر و عمل کو حدودِ وقت سے بھی متجاوز کر دیتے چنانچہ اس دور کے پیریا ڈیکلز (periodicals) میں چھپنے کے باوجود ان کے مضامین کی ادبی حیثیت قائم رہتی اور یہ روزمرہ کی خبروں میں ضم نہیں ہوتے تھے۔"(۱۱)

دیکھا جائے تو صحافت عموماً (Literature in hurry) ہنگامی نوعیت کا ادب خیال کیا جاتا ہے۔ جس کی زندگی ایک دن یا ایک ہفتہ یا زیادہ سے زیادہ مہینہ رہ سکتی ہے۔ ایک صحافی کی ساری دلچسپی اس بات میں ہوتی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں بغیر کسی رکاوٹ کے وہ اپنی بات قاری تک پہنچائے۔ جسے قاری بآسانی سمجھ سکے۔ صحافت میں زیادہ تر اسی اصول کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک ادیب زمان ومکان کی قید سے ماورا ہو کر اپنے احساسات، مشاہدات، تجربات کو قلم بند کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ جو اسلوب اختیار کرتا ہے۔ وہاں اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو نئے موضوعات، نئے الفاظ، اور نئے تراکیب ومفاہیم سے اپنے فن پارے کو مزین کیا جائے۔ اس طرح قاری ادیب کے اس تراشے ہوئے منظر کو ذہن میں رکھ کر حظ اٹھاتا ہے۔ ادیب ان کو بیٹھے بٹھائے نئی دنیاؤں کی سیر کراتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کو سید اقبال قادری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "صحافی اور ادیب دونوں الفاظ کے جادوگر ہوتے ہیں۔ ادیب ادائے مطلب کے ساتھ ساتھ طرزِ ادا کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ جبکہ صحافی نغمگی سے زیادہ صاف گوئی کو اہم سمجھتا ہے۔ ادبی تحریر میں ایمائیت، رمزیت، حسن وجمال، لطافت، نزاکت وغیرہ کے اجزا نمایاں رہتے

ہیں۔ جبکہ صحافت میں مقصدیت، حق گوئی، بے باکی، روانی سہل نگاری اور اختصار نویسی کے اجزا جلوہ فگن رہتے ہیں۔ ادب میں دروں بینی اور بصیرت ہوتی ہے۔ صحافت میں حقائق کی سطح پر واقعات کو من و عن بیان کرنے کی کیفیت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ ہر ادیب ایک انفرادی لہجہ اختیار کرنے کا آرزو مند رہتا ہے جبکہ صحافی وسیلہ اظہار کو ترجیح دیتا ہے۔" (۱۲)

ادب اور صحافت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اندازِ تحریر دونوں کا جُدا ہے مگر اس کو ادب سے یکسر مختلف نہیں کیا جا سکتا۔ ادب کا ذکر صحافت کے ذکر کے بغیر ناممکن ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اُردو صحافت غاصبانہ قوتوں کے خلاف ڈٹا رہا۔ اس کا براہ راست اثر اُردو ادب میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ادب اور صحافت دونوں انسانی زندگی کا حصہ ہیں مگر دونوں میں فرق اسلوب کی بدولت ہے۔ کسی خبر کو اسلوب سے صحافت کا رنگ چڑھایا جاتا ہے اور اُسی خبر کو ایک ادیب ادب کا لباس پہنا کر داد وصول کرتا ہے۔ بقول عثمان شاہ:

"صحافت خبر ہے۔ ادب نظر ہے۔ صحافت بصارت ہے اور ادب بصیرت، صحافت معلومات میں اضافہ کرتی ہے جبکہ ادب بصیرت میں اضافے کا سبب ہے۔" (۱۳)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی اخبار میں کوئی خبر آتی ہے اگلے دن اُسی خبر کی مناسبت سے اداریہ تحریر میں لایا جاتا ہے اور پھر کچھ عرصہ بعد کوئی ادیب اس خبر کو پس منظر بناتے ہوئے افسانہ تحریر میں لاتا ہے۔ گویا ان دونوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ یہ دونوں ہی معاشرے سے پیوست ہیں۔ نہ کوئی صحافی اپنے معاشرے کو نظر انداز کر کے اخبار شائع کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ادیب سماجی اور معاشرتی رویوں سے آنکھ چرا سکتا ہے۔

ادب اور صحافت کے اس بحث میں ایک اور تنازعہ بھی زیر بحث آتا ہے کہ تاریخ کے آئینے میں اُردو صحافت میں اُردو اَدب پر احسان کیا یا اُردو اَدب کا عروج صحافت کی مرہون منت ہے۔ ابتدائی دور میں جن نامور ادیبوں نے اپنا لوہا منوایا۔ اس دور کے اہم اخبارات کے ساتھ وابستہ رہے۔ ان میں مولوی محمد باقر، سر سید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی، حسرت موہانی، عبد الحلیم شرر، ابو الکلام آزاد وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح صحافت نے بھی اُردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور کئی ایک فن پارے صحافت کا حصہ بن کر عوامی سطح پر اُبھر آئے۔ اس حوالے سے پروانہ ردولوی لکھتے ہیں:

"اُردو صحافت میں اُردو زبان کو فروغ دے کر ادبی زبان بنانے کے سلسلے میں جو خدمت انجام دی ہے۔ اس سے لاکھ چشم پوشی کی جائے مگر جب کوئی بھی اُردو زبان کے فروغ کی تاریخ لکھے گا تو وہ سب سے پہلے اُردو صحافت ہی کا ذکر کرے گا۔ جس نے اُردو نثری ادب کا آغاز کیا اور اُردو شاعری کو بند کمروں اور نجی محفلوں سے عوام تک پہنچا کر اُسے مقبول بنایا"۔(۱۴)

جب اُردو ادب اپنے ابتدائی وارتقائی دور سے گزر رہا تھا تو اس کا نمایاں اثر ہمیں اس دور کی صحافت میں بھی نظر آیا۔ ابتدائی دور کی صحافتی زبان اور ادبی زبان میں فرق بہت کم تھا۔ چونکہ اُردو صحافت شمالی اور جنوبی ہند کی بجائے کلکتہ سے اُبھر کر سامنے آئی۔ ابتداء میں اُردو صحافت نے انگریزی اور فارسی اخبارات کی پیروی کی۔ اس لیے جہاں سیاست اس کا موضوع رہا وہاں ادبیت بھی اخبارات کا باقاعدہ حصّہ تھی۔

انیسوی صدی عیسوی کے وسط سے ہی صحافتی نثر میں تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ اس سے قبل اخبارات میں پیچیدہ زبان (جو فارسی اور انگریزی سے متاثر تھی) رائج رہی۔ صحافتی نثر کے ساتھ ساتھ ادبی نثر میں بھی مجموعی طور پر مسجع نثر کی بجائے نسبتاً سادہ اور مانوس انداز بیان کو اپنایا جانے لگا۔ اس سلسلے میں "اودھ اخبار" کو نمائندہ اخبار کہا جاسکتا ہے جو اسلوب میں نمایاں تبدیلی کے ساتھ ترقی کے راستے پر گامزن تھا۔ یہ اخبار ۱۸۵۸ میں ہفت روزہ کی شکل میں جاری ہوا اور ۱۸۷۴ میں روزنامہ بن گیا۔ اس وقت کے اہم ادبی شخصیات پنڈت رتن ناتھ سرشار، غلام محمد خان تپش، مرزا غالب، جالب دہلوی، سید امجد علی، اور رتن ناتھ سرشار کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں "فسانہ آزاد" اُودھ اخبار میں قسط وار چھپتا رہا۔ اسی طرح "دہلی اُردو اخبار" نے اردو شاعری کے مزاج میں تنقیدی عمل سے مثبت تبدیلیاں سامنے لائیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فوزیہ چودھری لکھتی ہیں:

"صرف ناواقفیت کی بنا پر ہی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صحافت کا ادب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ اُردو صحافت میں خواہ وہ روزنامہ ہو، ہفت روزہ ہو یا پندرہ روزہ اَدب کا ایک حصّہ ضرور ہوتا ہے۔ اس سے صحافت کی اپروچ کافی حد تک وسیع ہو جاتا ہے جبکہ ادب محض مخصوص طبع لوگوں کے لیے تخلیق ہوتا ہے اور اس سے ایک خاص طبقہ مستفید ہوتا ہے۔ لیکن صحافت کا دائرہ عمل ہر خاص و عام تک پھیلتا چلا جاتا ہے"۔ (۱۵)

اگر ڈیڑھ سو سال کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ادب و صحافت کے اس باہمی تعلق میں طنز و مزاح کا عنصر ہمیشہ غالب رہا ہے۔ اُردو اخبارات، رسائل ، جریدے نے دیگر ادبی مواد کی نسبت ظریفانہ مواد کو زیادہ جگہ دی ہے۔ اپنے دور کے نامور اخبارات اور صحافیوں نے قیام پاکستان سے پہلے اور قیام پاکستان کے بعد طنز و مزاح کو اخبارات کا حصہ بنایا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ادبی مزاح اور صحافتی مزاح میں بھی قدرے فرق پایا جاتا ہے۔ ادبی مزاح عموماً معاشرے کے مقررہ اُصولوں پر پورا نہ اُترنے یا اس سے کسی قدر روگردانی کے نتیجے میں جنم لیتا ہے۔ اس کے لیے مقررہ وقت یا زمان و مکاں کی قید نہیں ہوتی اس کے مقابلے میں جس طرح صحافت کو وقتی اور ہنگامی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صحافتی مزاح کو بھی مستقل حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی ہنگامی واقعات کے نتیجے میں جو مزاح بنتا ہے وہ صحافتی مزاح کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ "اودھ پنچ" یا اودھ اخبار" کے نتیجے میں جو صحافتی مزاح سامنے آیا تھا۔ وہ موجودہ دور میں اپنی وقعت کھو چکا ہے۔

جس طرح ادب اور صحافت کبھی جدا اور کبھی یکجا نظر آتے ہیں اسی طرح صحافتی ادب اور ادبی صحافت بھی ایک الگ بحث لیے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھار ادیب ابلاغ کے لیے صحافیانہ راستہ اختیار کرتا ہے اور کبھی صحافی (خصوصاً اداریہ کے حوالے سے) ادبی طرز تحریر کو وسیلہ بناتا ہے۔ جو بالترتیب ادبی صحافت اور صحافتی ادب کہلاتا ہے۔ طنز و مزاح کے سلسلے میں "اودھ پنچ" کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے بعد کے اخبارات میں زمیندار، الہلال اور ہمدرد کے نام سر فہرست ہیں ان اخبارات سے وابستہ صحافیوں ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر اور شبلی نعمانی شامل ہیں۔ شبلی کی بہت سی طنزیہ نظمیں ہیں جو صحافتی مزاح اور ادبی مزاح کی عمدہ مثالیں ہیں۔ بقول ڈاکٹر بشارت علی:

> "ادب کے معنی ہمارے خیال کے تحت یہ ہیں کہ حیات و فطرت کے مسائل ، عمدہ خیالات اور عمدہ زبان کے ذریعے ادا کیے جائیں۔ فی الوقت اس تعریف کے بعد اگر ہم سرسری نظر سے صحافت اور بالخصوص اخبار کا مطالعہ کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شعبہ جات ادب کا نچوڑ، حیات و فطرت اور ہماری مادی زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ اس لیے صحافت کو بھی ادب کا ایک جزو شمار کرنا حقیقت کے منافی نہیں ہوگا۔ (۱۶)

ان مباحث کے نتیجے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحافت کا بنیادی مقصد قاری کو باخبر رکھنا ہے۔ جبکہ ادب پڑھنے والے کے جمالیاتی حس کو تسکین دیتا ہے۔ ادیب مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لیے جو اسلوب بروئے کار لاتا ہے وہ حسنِ ادا اور ادبی چاشنی سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صحافی سیدھے سادے طرزِ تحریر سے معلومات و حقائق کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔

ویسے تو ادب اور صحافت ساتھ ساتھ چلتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایک ادیب اپنے پیغام کو قاری تک پہنچانے کے لیے صحافت کے ذرائع اپناتا ہے۔ تو یہ ادبی صحافت کے زمرے میں آتا ہے۔ بہر کیف صحافت میں وقت کی پابندی لازمی کرنی پڑتی ہے وہ ایک ادیب کی طرح اپنے رجحانات، پسند وناپسند یا فرصت سے قطع نظر ہر حال میں بروقت اپنے فرائض انجام دینا ہوتے ہیں۔ اب یہاں منجھے ہوئے صحافی کے فنِ صحافت کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ بغیر تاخیر کیے عمدہ، معیاری خبریں قارئین کو دیں۔

صحافت اور ادب کے درمیان ہم تقسیم کی لائن نہیں کھینچ سکتے یہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ایک اعلیٰ پائے کا صحافی ایک اچھا ادیب بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح ایک اعلیٰ ادیب جیسا کہ سر سید احمد خان، عبدالحلیم شرر، منشی سجاد حسین، ابوالکلام آزاد، ظفر علی خان، خواجہ حسن نظامی، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، وقار انبالوی، عبدالماجد دریا آبادی اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ اعلیٰ درجے کے ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے صحافی بھی تھے۔

حوالہ جات

۱۔ عابد صدیقی، ادب وصحافت، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدر آباد ۱۹۷۴ء، ص ۸۲

۲۔ خلیق احمد نظامی، سید احمد خان، ڈائریکٹر پبلیکیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاوس، نئی دہلی، ۱۹۷۱ء، ص ۱۱۰

۳۔ ڈاکٹر صالح عبداللہ اُردو صحافت میں اظہار وابلاغ کے مختلف پیرائے کا تنقیدی جائزہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۰۶ء،

۴۔ رشید حسن خان، مشمولہ اُردو صحافت، اُردو اکیڈمی دہلی، گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج، نئ دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۶۳

۵۔ ڈاکٹر صالح عبد اللہ ا،ُردو صحافت میں اظہار و ابلاغ کے مختلف پیرائے کا تنقیدی جائزہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ۹۰ ۶۔ ایضا، ص ۱۰۵

۷۔ نصر اللہ خان، مشمولہ اُردو کالم نویسی، علمی کتب خانہ، کبیر سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، س۔ن، ص ۱۳۰

۸۔ عبد الحئ، اردو صحافت اور سر سید احمد خان، فکشن ہاؤس، بک سٹریٹ ۳۹ مزنگ روڈ لاہور پاکستان ، ۲۰۱۱ء ، ص ۱۳

۹۔ مرزا ادیب، اذکار و افکار، مکتبہ میری لائبریری، ناصر برادرز پریس، لاہور، ۱۹۸۸ ء، ص ۹۸

۱۰۔ مولوی محمد باقر، مشمولہ رہنمائے صحافت، فرید بک لمٹیڈ، نئ دہلی ۲۰۱۲ ء، ص ۸۵

۱۱۔ ڈاکٹر انور سدید، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ (ابتداء تا ۱۹۸۸ء) اکادمی ادبیات، اسلام آباد پاکستان، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۳

۱۲۔ سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اُردو بیورو، ۲۰۰۰ء، ص ۲۷۵

۱۳۔ عثمان شاہ، ادبی صحافت صوبہ سرحد میں، مراد علی، یونیورسٹی پبلشرز، افغان مارکیٹ، قصہ خوانی، پشاور، ۲۰۰۷ء، ص ۹

۱۴۔ پروانہ ردولوی، اُردو صحافت کا استغاثہ، حیاء پبلیشنگ ہاوس، نئ دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۴۷

۱۵۔ فوزیہ چودھری، اُردو کی مزاحیہ صحافت، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۱۳

۱۶۔ بشارت علی، مشمولہ فوزیہ چودھری، اُردو کی مزاحیہ صحافت، سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۵۷